© rasailojaraid.com



# خلافتِ ارض اور علماء کی ذمہ داریاں

## عصر جدید کا ایک اہم تجدیدی کام اور اس کی نوعیت

از مولوی شہاب الدین صاحب ندوی، ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور ۲۷

قسط (۳)

### تصوف اور سائنس:

یہ موضوع ختم کرنے سے پہلے ایک غلط فہمی دور کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ سائنس اور تصوف دونوں ایک درجہ کی چیزیں نہیں ہیں، جن کو میں نے اس موقع پر گلے ملانے اور دونوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اصل میں دونوں کا بنیادی مقصد متحد ہے اور وہ ہے حقیقت کی تلاش۔ اور موجودہ دور میں تجدید و اصلاح کے لیے مختلف مگر صحیح نقطہ ہائے نظر کو ایک عظیم تر مقصد کی خاطر اکٹھا کر دینا ضروری ہے تاکہ باہمی غلط فہمیاں دور ہوں اور فاصلے کم سے کم تر رہ جائیں۔

سائنس اور تصوف کی منزل —— اپنی اصل غرض و غایت کے اعتبار سے —— ایک ہے مگر طریقے جدا جدا ہیں۔ وہ "شہود" جو تصوف کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور وہ "شہود" جو سائنس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ان دونوں میں مقصد کا اشتراک ہونے کے باوجود ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلا کشفی و اشراقی ہے جب کہ دوسرا علمی و استدلالی، البتہ دونوں وجدانی ضرور ہیں۔ اور محنت بھی دونوں طریقوں میں خوب کرنی پڑتی ہے۔ پہلے طریقے میں مجاہدہ اور نفس کشی کے ذریعہ تو دوسرے طریقے میں "علم اسماء" کی اعلیٰ تحصیل اور اس میں رسوخ پانے کے ذریعہ۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بہت خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کی ان دونوں طریقوں میں تکمیل ہو جائے، جو نور علیٰ نور کے مصداق ہوں گے۔ موجودہ دور میں نوعِ انسانی کی عموماً اور امتِ مسلمہ کی خصوصاً صحیح رہنمائی اور اصلاحِ حال کے لیے ان دونوں طریقوں کا جامع یا کم از کم ان کے کوچوں کا رمز شناس ہونا ضروری ہے۔ اور اس طریقے سے دنیا نے تصوف کی موجودہ بہت سی خرابیوں کا علاج بھی ممکن ہو سکتا ہے۔

بہر حال اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ تصوف اصولی حیثیت سے بہت مفید بلکہ ضروری و ناگزیر ہے۔ کیونکہ وہ دین کی تکمیل کا ایک شعبہ ہے۔ مگر اس کو فلسفیانہ اثرات سے پاک ہو کر کتاب و سنت کی خالص بنیادوں پر استوار ہونا چاہیے، اور جو چیز شریعت کی ضد یا اس کے مغائر ہو وہ تصوف نہیں بلکہ گمراہی ہے۔

"تصوف شریعت سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں بلکہ حقیقتاً وہ شریعت ہی کا خادم ہے تصوف نام ہے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کا جس کے باعث انسانی اخلاق و اعمال درست ہوتے ہیں اور برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ تصوف کا منتہائے مقصود سوزِ جگر کو جلا دینا اور "عشق" کی آگ کو بھڑکانا ہے جس کی بدولت ہنگامہ ہائے وجود میں حسنِ اخلاق کے سوتے پھوٹتے ہیں، محبت و مروّت اور امن و امان کے شگوفے نمودار ہوتے ہیں بقول اقبال ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات[1]

## فلسفۂ یونان مجموعۂ اغلاط :

ایک زمانہ تھا کہ لوگوں کے دل و دماغ پر فلسفۂ یونان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور بہت سے لوگوں کے نزدیک تو ان کا مرتبہ وحی و الہام سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس کے توڑ کے لیے اہلِ اسلام نے اس کو اپنایا اور کلامی نقطۂ نظر سے اسے داخلِ نصاب کیا مگر اس

---

[1] ماخوذ "از اسرارِ نبوت" ص ۲۵-۲۶، از محمد شہاب الدین ندوی، مطبوعہ بنگلور، ۱۹۷۷ء



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



زمانہ اب لد چکا ہے لیکن ہم اس سے برابر چمٹے ہوئے ہیں۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یونانی فلسفے کے جو مسائل اب تک ہمارے ذہنوں پر چھائے ہوئے ہیں اُن کے غلط اور بے بنیاد ہونے کی حقیقت پر تھوڑی سی روشنی ڈال دی جائے اور فکر و نظر کی دنیا میں جو عظیم انقلابات رونما ہو گئے ہیں ان کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کر دیا جائے تاکہ ہمارے علماء کو اپنے منصب و کردار کو پہچاننے اور "خلافتِ ارض" کے تعلق سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں سہولت ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ہمارے علماء اور دانشور جدید سے جدید تر تمام فکری و نظریاتی تبدیلیوں سے غافل اور بے پروا ہو کر اب تک برابر ارسطو اور اس کے ہمنواؤں کے سُر میں اپنا سُر ملائے جا رہے ہیں؛ اور انھیں کوئی خبر نہیں ہے کہ افکار کی دنیا میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں اور دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔

JAMIA NAGAR DELHI

## ابطالِ ہیولیٰ :

مثال کے طور پر بیسویں صدی کے آغاز تک تمام فلسفیانہ مسائل کی بنیاد نظریہ پر تھی کہ مادّہ "غیر فانی" ہے۔ مگر جدید سائنس نے جب یہ ثابت کر دیا کہ مادّہ (Matter) نہ صرف فانی ہے بلکہ توانائی (Energy) ہی کی دوسری شکل ہے[1]۔ تو اس نظریے کی بنیاد پر جتنے بھی مسائل —— قدیم اور جدید فلسفوں میں —— گھڑے گئے تھے وہ سب کے سب باطل ہو گئے۔ مگر ہمارے علماء ان جدید تحقیقات و انکشافات سے بے خبر ہو کر اب تک برابر اثبات "ہیولیٰ"[2] اور ابطال "اجزائے لا تتجزیٰ"[3] یا

---

[1] جدید نظریہ کے مطابق مادہ "منجمد توانائی" کا دوسرا نام ہے۔

[2] قدیم فلاسفہ ہیولیٰ (مادہ) کو ازلی و ابدی اور غیر فانی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اجزاء (جواہر فردہ) سے مرکب نہیں ہیں۔ بلکہ چھوٹے بڑے تمام اجسام صرف دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک ہیولیٰ اور دوسرے صورتِ نوعیہ۔ گویا کہ اُن کی نظر میں ہر جسم متصل واحد ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنی جگہ پر گویا ایک مکمل یونٹ ہوتا ہے جو اجزاء کا مجموعہ نہیں ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ پر ملاحظہ کیجیے)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جواہر فردہ کی بے کار اور لا طائل بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں اور ان کی تعلیم و تدریس سے اب تک ہمارے عربی و اسلامی مدارس کو چھٹکارا نہیں مل سکا ہے۔ حالانکہ سائنٹفک نقطۂ نظر سے ہیولیٰ اور جزء لا یتجزیٰ دونوں سے متعلق نظریات غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ جزء لا یتجزیٰ یا جوہر فردہ کی تعریف میں متکلمین اگر یہ قید نہ لگاتے کہ وہ قطعی، کسری، وہمی اور فرضی کسی بھی حیثیت سے ناقابل تقسیم ہے تو یقیناً ان کا نظریہ آج صحیح ہوتا۔ مگر پھر بھی مجموعی اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ متکلمین کا نظریہ مفرد عناصر (Elements) کی حد تک آج بھی صحیح ہے، جن کی تعداد آج ۹۲ ہے اور جن سے کائنات کی تمام اشیاء مرکب ہیں۔ البتہ ایٹم کی مزید تقسیم کے لحاظ سے (الکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی دریافت کے بعد) یہ نظریہ غلط ہو جاتا ہے۔ مگر اس موقع پر

---

(بقیہ حاشیہ ۲ و ۳، از صفحہ ۷) اس لحاظ سے جب کسی چیز کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو اس نظریہ کے مطابق کہا جائے گا کہ جس چیز نے تقسیم قبول کی ہے وہ صرف ہیولیٰ نے قبول کی ہے کسی اور چیز نے نہیں۔ اسی طرح صورت شکل کی تبدیلیوں کے باعث ہیولیٰ کا محض قالب بدلتا رہتا ہے یعنی مختلف تبدیلیوں کے باوجود وہ ہر شکل و صورت میں بے کم و کاست اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے۔ مثلاً اگر لکڑی جلائی جائے تو جو ہیولیٰ پہلے لکڑی کی شکل میں تھا اس نے اب راکھ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ گویا کہ ہیولیٰ ختم نہیں ہوا بلکہ اس نے صرف اپنے قالب کو بدل لیا ہے۔ یہی نظریہ مادہ کے غیر فانی ہونے کی بھی دلیل رہا ہے۔ بہر حال ہیولیٰ کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے: "وہ جوہر بالذات قابل اور مستعد ہو۔"

۴ یہ جزء لا یتجزیٰ کی جمع ہے یعنی مادے کا وہ آخری چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جو اپنی مزید تقسیم قبول نہ کرے، اس کو جوہر فرد بھی کہتے ہیں جس کی جمع جواہر فردہ ہے۔

۵ ملاحظہ ہو قدیم فلسفے کی کتاب "میبذی"، ص ۱۰، مطبوعہ رحیمیہ دیوبند۔ ان اصطلاحات کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو ان اجزاء کو کاٹ کر تقسیم کیا جا سکتا ہے، نہ وہ ٹوٹ پھوٹ کر منقسم ہو سکتے ہیں اور نہ فرضی و وہمی اعتبار سے ان کی تقسیم عمل میں آ سکتی ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہ حقیقت ملحوظ رہنی چاہیے کہ ایٹم کی مزید تقسیم سے کوئی ایٹم ایٹم نہیں رہتا بلکہ وہ چند برقی اجزاء کا مجموعہ بن جاتا ہے[1] کیونکہ تمام عناصر میں بنیادی طور پر الکٹرانوں، پروٹانوں اور نیوٹرانوں کا متحدہ نظام پایا جاتا ہے۔ الکٹرانوں میں منفی برقی چارج ہوتا ہے اور پروٹانوں میں مثبت برقی چارج، جب کہ نیوٹران بے چارج ذات ہوتے ہیں۔ اس طرح ایٹم کے یہ اندرونی اجزا اپنی اصل ہیئت و ماہیت کے اعتبار سے غیر مادی ہیں۔

اسی طرح نہ صرف ایٹم بلکہ ایٹم کے اجزاء بھی مزید تقسیم ہوگئے، چنانچہ جدید ترین تحقیق کے مطابق ایٹم کے مرکز (Nucleus) سے تین قسم کی شعاعیں نکلتی ہیں، جن کو الفا شعاعیں (Alapharays) بیٹا شعاعیں (Betarays) اور گاما شعاعیں (Gamma Rays) کہا جاتا ہے۔ الفا شعاعیں دو پروٹانوں اور دو نیوٹرانوں کے مجموعے کو کہتے ہیں[2] جو تابکار عناصر[3] (Radioactive Elements) سے خارج ہوتے ہیں[4]۔

[1] ایٹم کو توڑ کر پھر دوبارہ ایٹم نہیں بنایا جا سکتا۔ اصطلاح میں مادہ جس چیز کا نام ہے وہ صرف ایٹموں یا عناصر کا نام ہے۔ ہر مفرد عنصر کی اپنی ایک علیحدہ خصوصیت ہوتی ہے جو اس کو (اس کے مرکزے کو) توڑ دینے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور وہ بجلی کے چند ذرات کا ڈھیر بن کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً آکسیجن یا کاربن کے مرکزے کو توڑ دیا جائے تو پھر آکسیجن آکسیجن نہیں رہتا اور کاربن کاربن نہیں کہلاتا۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن کے کیمیاوی تعامل سے پانی کا جو سالمہ (Molecule) وجود میں آتا ہے اس کے مرکزوں کو توڑ دینے کے بعد پھر اُن سے پانی کا سالمہ دوبارہ وجود میں نہیں آسکتا۔ یہی حال دیگر تمام عناصر اور سالموں کا ہے اور اس میں بہت بڑی حکمت ربانی کارفرما نظر آتی ہے۔

[2] ایٹم آپ کا خادم، ص ۱۶۴، مطبوعہ انڈین اکیڈمی نئی دہلی۔

[3] سیسہ (Lead: ایٹمی نمبر ۸۲) کے بعد یورینیم (ایٹمی نمبر ۹۲) تک جتنے بھی درمیانی عناصر ہیں۔ سب تابکار عناصر کہلاتے ہیں، جن سے یہ شعاعیں مسلسل خارج ہوتی رہتی ہیں۔

[4] اے ڈکشنری آف سائنس، ص ۱۸، پینگوئن بکس، لندن، ۱۹۷۷ء۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بیٹا شعاعیں الکٹرانوں کو کہا جاتا ہے۔ مگر یہ وہ الکٹران نہیں ہیں جو ایٹم کے مرکزے کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ بلکہ وہ جوہری مرکزے کے اندر تحلیل شدہ نیوٹرانوں سے (ٹوٹ ٹوٹ کر) نکلتے ہیں[1] یہ شعاعیں الفا شعاعوں سے زیادہ تیزی کے ساتھ خارج ہوتی ہیں۔ اور بعض حالات میں اُن کی رفتار روشنی کی رفتار کا ۹۸ فی صد ہوتی ہے[2] جب کہ روشنی کی رفتار ۱۸۶۲۸۱ میل فی سکنڈ ہے۔ اور گاما شعاعیں برقی مقناطیسی لہروں (Electromagnetic Radiation) کو کہا جاتا ہے[3] جو ایٹموں کے مرکزوں سے نکلتی ہیں، مگر وہ ذرات نہیں ہیں[4] بلکہ کوانٹم یونٹوں کے مطابق خارج ہونے والے فوٹان (Photons) ہوتے ہیں[5]

ان شعاعوں کی دریافت کے بعد مادے کے غیر فانی ہونے کا نظریہ باطل ہو گیا۔ کیونکہ یہ شعاعیں ایٹموں کے مرکزوں سے مسلسل ٹوٹ ٹوٹ کر کائنات کی نامعلوم وسعتوں میں گم رہتی ہیں۔ اسی طرح ان شعاعوں کی دریافت کے بعد "ہیولیٰ" کا بے بنیاد نظریہ بھی باطل اور وہ ساری دلیلیں بھی مردود قرار پاتی ہیں جو قدیم فلاسفہ نے جزو لایتجزیٰ کے بطلان پر قائم کی تھیں۔ مثلاً کسی جزو کو دو اجزائے کے درمیان یا دو اجزائے کے ملتقیٰ پر فرض کر کے یہ سوال کرنا کہ آیا یہ جزو دونوں اجزائے کے درمیان گھرا ہوا اور ان دونوں سے ملا ہوا ہے یا نہیں۔ ؟ اگر ملا ہوا ہے تو تقسیم ثابت ہو گئی اور اگر نہیں ملا ہوا ہے تو گویا وسط وسط نہیں رہا جو محال ہے۔ وغیرہ وغیرہ[6]

---

[1] ایٹم آپ کا خادم، ص ۱۶۵۔

[2] اے ڈکشنری آف سائنس، ص ۴۶۔

[3] ایٹم کی کہانی، ص ۷۷، مطبوعہ نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی۔

[4] ایٹم آپ کا خادم، ص ۱۶۹ [5] اے ڈکشنری آف سائنس، ص ۱۶۲۔

[6] تفصیل کے لیے دیکھیے قدیم فلسفے کی کتابیں ہدایۃ الحکمۃ اور میبذی وغیرہ۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تو اب جیسا کہ تجربے و مشاہدے سے ثابت ہو گیا کم از کم گاما شعاعیں ایسے اجزا یا ذرات نہیں ہیں جن کو دو اجزاء کے درمیان یا دو اجزا کے ملتقی پر فرض کرنے کا سوال پیدا ہو، بلکہ وہ تو برقی مقناطیسی لہریں ہیں۔ اب ان لہروں کو ملتقی پر رکھنے اور انھیں مزید تقسیم کرنے کا مسئلہ ہی خارج از بحث ہے[1] کیونکہ وہ درحقیقت نہ مادہ ہے اور نہ مادی اجزا کا مجموعہ ان لہروں پر اجزاء کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔

حاصل یہ کہ اس مسئلے میں فلسفۂ یونان اور متکلمین دونوں کا مسلک غلط ہے مگر ایک حیثیت سے متکلمین کا مسلک تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ قابل اعتنا اور حقیقت واقعہ کے عین مطابق ہے، جب کہ فلسفۂ یونان کا مسلک غلط در غلط بلکہ بالکل مہمل ہے۔

## یونانی نظریۂ افلاک کا ابطال:

قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ ہماری زمین کو کائنات کا مرکز قرار دیتے ہوئے سات سیاروں کو — جن میں ہمارا سورج بھی داخل ہے — کروی شکل کے سات افلاک میں جڑے ہوئے مانتا ہے[2] نیز وہ کہتا ہے کہ یہی افلاک گردش کرتے ہیں اور زمین اُن کے درمیان ساکن ہے[3]۔

---

[1] اگر دورِ قدیم میں عقل سے کام لیا جاتا تو بالکل اسی کے مشابہ دھوئیں یا بھاپ کی مثال دی جا سکتی تھی جو کسی مادے کو جلانے یا گرم کرنے کے باعث اس سے خارج ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ مادے ہی کا جز ہیں۔

[2] انہی سات افلاک یا سات سیاروں کو بعض علماء نے سات آسمان قرار دے دیا ہے۔ ملاحظہ قدیم فلکیات کی کتاب "تصریح" ص ۸، مطبوعہ رحیمیہ دیوبند۔

یہ سات سیارے حسب ذیل ہیں: (۱) چاند۔ (۲) عطارد (۳) زہرہ (۴) آفتاب (۵) مریخ (۶) مشتری (۷) زحل اُن میں سے چاند ہماری زمین سے سب سے زیادہ قریب ہے، پھر اُس کے بعد عطارد، پھر زہرہ، پھر سورج، پھر مریخ پھر مشتری اور پھر زحل ہیں۔ (شرح چغمینی، ص ۲۲)

[3] شرح چغمینی، ص ۲۰، مطبوعہ رحیمیہ دیوبند۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اسی طرح ان فلاسفہ کا نظریہ ہے کہ یہ افلاک ایک کے اوپر ایک پیاز کے چھلکوں کی طرح تہہ بہ تہہ ہیں اور اپنا ٹھوس جسم رکھتے ہیں۔ مگر وہ شیشے کی طرح شفاف ہیں، جن کے پار دیکھا جا سکتا ہے۔ ان سات کے علاوہ دو مزید افلاک ہیں۔ آٹھویں کو "فلک البروج" یا فلک ثوابت" اور نویں کو "فلک اطلس" یا فلک الافلاک" یا "فلک اعظم" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ تمام ستارے (سات سیاروں کے علاوہ) آٹھویں فلک میں جڑے ہوئے ہیں اور افلاک چونکہ شفاف ہیں اس لیے وہ سب ہم کو پہلے فلک میں جڑے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ اور نواں فلک محدد جہات ہے اور وہ تمام (افلاک و) اجسام کو محیط ہے اور اس کے ماوراء کوئی چیز نہیں ہے نہ کسی قسم کا خلا اور نہ ملا[1] (یعنی خالی اور بھری جگہ) اور یہ غیر مکوکب یعنی غیر مخلوق ہے[2]۔ یہ تمام افلاک و ثوابت گردش کرتے ہوئے دن رات میں ایک چکر پورا کر لیتے ہیں اور یہ اجرام متحرک بالارادہ ہیں۔

---

[1] تصریح (شرح تشریح الافلاک) ص ۶، رحیمیہ دیوبند۔ [2] شرح چغمنی ص ۲۳۔

یعنی قدیم اور غیر فانی ہے جو خرق والتیام کو قبول نہیں کرتا۔ اور تمام افلاک کے بارے میں بھی یہی نظریہ ہے، چنانچہ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

"افلاطون اور ارسطو وغیرہ کا مذہب ہے کہ آسمان سخت اور ٹھوس ہے اور وہ کسی طرح ٹوٹ یا پھٹ نہیں سکتے، اس کے ساتھ ان میں روح اور عقل ہے اور ان کی روح اور عقل ہم سے بمدارج اعلیٰ اور افضل ہے۔ تمام عالم کا انتظام انہی کے دست قدرت میں ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے انہی کے اشاروں سے ہوتا ہے ---- فارسی اور اردو شاعری میں شعراء جو ہر موقع پر آسمان کے ظلم و ستم کا دکھڑا روتے ہیں، یہ محض شاعری نہیں بلکہ اسی قدیم یونانی خیالات کا پرتو ہے ---- آسمانوں کے عاقل اور صاحب روح ہونے پر یونانیوں کا استدلال یہ ہے کہ آسمان دوری حرکت کرتا ہے یعنی گھومتا اور چکر لگاتا ہے اور جو چیز دوری حرکت کرتی ہے وہ صاحب عقل و شعور ہوتی ہے۔"

(مقالات شبلی، ۷/۳۲-۳۳، اعظم گڑھ، ۱۹۶۵ء)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انہی افلاکِ سبعہ کو ہمارے بعض علماء نے سات آسمان (سبع سماوات) قرار دیتے ہوئے بقیہ دو افلاک کو عرش اور کرسی کے نام سے موسوم کر دیا ہے[1] اور ہندوستان کے اکثر عربی مدارس میں آج تک اسی کی تعلیم و تدریس ہو رہی ہے۔ فلسفۂ یونان کے یہ تمام مسائل و مباحث آج علم و تحقیق کی روشنی میں اوہام و خرافات اور بالکل افسانے معلوم ہوتے ہیں۔

نیز اسی طرح ان افلاک کی ساخت و پرداخت کے بارے میں یہ نظریہ بلکہ عقیدہ ہے کہ وہ مختلف اجسام و طبائع سے مرکب نہیں ہیں[2] اور یہ شق عناصر کو بھی شامل ہے[3] یعنی افلاک کا مادہ کسی بھی حیثیت سے ہماری زمین کے مادے سے مشابہ نہیں ہے۔ اور اسی بنا پر وہ کون و فساد اور خرق و التیام کو قبول نہیں کرتا[4] یعنی ان کے اجزاء نہ تو (ٹوٹ پھوٹ کر) الگ ہو سکتے ہیں اور نہ (ایک بار ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ) جڑ سکتے ہیں[5] ان نظریات کی صحت پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ حد درجہ مضحکہ خیز ہیں جو محض قیاسی گھوڑے دوڑانے کے مترادف ہے۔

## قرآن کا نظریۂ سماوات:

جدید نظریات و تحقیقات کے مطابق "افلاک" کوئی چیز نہیں ہیں۔ اس موقع پر یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ قرآنی نظریۂ سماوات اور فلاسفۂ یونان کے نظریۂ افلاک میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور تحقیقات جدیدہ کی رو سے فلاسفۂ یونان کے نظریات کا ابطال

---

[1] تصریح، ص ۷۔

[2] چنانچہ فلسفے کی بنیادی کتاب "ھدایۃ الحکمۃ" میں ہے: "اِنَّ الْفُلْکَ بَسِیْط أَی لم یَتَرَکَّبْ مِنْ اَجْسَامٍ مُخْتَلِفَۃِ الطَّبَائِعِ"

[3] ملاحظہ ہو "ھدایۃ الحکمۃ" کی شرح میبذی، ص ۶۸، مطبوعہ دیوبند۔

[4] اِنَّ الْفَلَکَ لَا یَقْبَلُ الْکَوْنَ وَالْفَسَادَ وَالْخَرْقَ وَالْاِلْتِیَامَ (ہدایۃ الحکمۃ)

[5] میبذی۔ ص ۷۷۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور قرآنی نظریات کا اثبات ہوتا ہے تفصیل کے لیے تو ایک مستقل تصنیف درکار ہے لہٰذا اس موقع پر محض اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

جدید فلکیات (Astronomy) کی رو سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہماری کائنات سبع سیارات (سات سیاروں) اور تسعہ افلاک (نو افلاک) میں محدود نہیں ہے بلکہ اربوں کھربوں اور لاتعداد ستاروں اور سیاروں کا مجموعہ ہے۔ اور یہ تمام اجرام سماوی بے کراں خلاؤں میں بغیر کسی سہارے کے تیرتے پھر رہے ہیں۔ اور اُن کا مادّہ بھی وہی ہے جو ہمارے کرۂ ارض اور نظام شمسی[ف۱] کا مادہ ہے[ف۲] اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ستارے بھی جیتے مرتے رہتے ہیں[ف۳] چنانچہ ہمارا سورج ایک سکنڈ میں بیس لاکھ ٹن کی رفتار سے اپنی توانائی کھوتا جا رہا ہے[ف۴] اور

---

ف۱ قدیم فلکیات میں زمین کو مرکز قرار دیا گیا تھا جب کہ جدید فلکیات میں سورج کو مرکز قرار دیتے ہوئے زمین کو ایک تابع سیارہ قرار دیا گیا ہے۔

ف۲ اور یہ قرآنی بیان ہی کی تصدیق و تائید ہے۔ ملاحظہ ہو تیسرے باب میں آیت کریمہ: "لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ"، کی تشریح (در بحث ایٹم اور قرآن) یہ آیت کریمہ "نص" ہے اس بات پر کہ ہماری زمین آسمان کا مادہ متحد ہے۔ یعنی اجرام سماوی میں بھی اُسی طرح کا عنصری اور جوہری نظام کارفرما ہے جس طرح کا عنصری و جوہری نظام خود ہماری زمین میں ہے۔

ف۳ ملاحظہ ہو امریکی سائنس دان جارج گیمو کی مشہور کتاب "سورج کی پیدائش اور موت"، (The Birth and death of the Sun) اس کتاب کے ملاحظے سے: "إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ" (جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے) وغیرہ قسم کی قرآنی آیات کی ایک نئی تفسیر سامنے آتی ہے اور قیامت سے متعلق قرآن حکیم کے حیرت انگیز انکشافات کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

ف۴ زمین اور خلائی کھوج، از مارگریٹ او ہائیڈ، ص ۴۵، انڈین اکیڈمی نئی دہلی۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہمارا چاند شہاب ثاقب (Meteorites) اور کائناتی شعاعوں (Cosmic Rays) وغیرہ کی بمباری سے مسلسل کٹ پٹ رہا ہے، اور اسی بنا پر چاند میں بے شمار گڑھے، کھائیاں اور شگاف وغیرہ نمودار ہو چکے ہیں [1]۔ ان انکشافات کے ملاحظے سے قدیم فلاسفہ کا یہ نظریہ باطل ہو جاتا ہے کہ اجرام سماوی کون و فساد اور خرق و التیام قبول نہیں کرتے اور یہ کہ ان کا مادہ ہمارے عنصریات سے مختلف ہے [2]۔

موجودہ فلکیات کی ایک شاخ فلکی طبیعیات (Astrophysics) بھی ہے۔ اور یہ ایک بالکل نیا علم ہے۔ اس علم کے تحت اجرام سماوی کے طبیعی خواص اور ان کی (ساخت و پرداخت) کے درمیان پائے جانے والے مادہ اور توانائی کے روابط کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

---

[1] ہمارا چاند اس طرح مسلسل چاندماری کی بدولت کٹتے پٹتے ایک نہ ایک دن بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر سکتا ہے جو حسب ذیل آیت کریمہ کی حیرت انگیز صداقت ہو گا: "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" (قیامت آگئی (کیونکہ) چاند پھٹ گیا)۔

[2] جدید تحقیقات سے منکشف ہوا ہے کہ سورج میں بنیادی طور پر ہائیڈروجن اور ہیلیم دو عناصر پائے جاتے ہیں۔ سورج کی توانائی اور تپش کا راز یہ ہے کہ اس میں موجود شدہ ہائیڈروجن گیس جل جل کر مسلسل ہیلیم (Helium) میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ اور اس طرح ایک نہ ایک دن اس کی ہائیڈروجن ختم ہو جائے گی اور وہ ایک بے جان کرے کی طرح سرد اور ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ (ملاحظہ ہو سورج کی پیدائش اور موت)

اسی طرح چاند سے خلا باز مٹی اور پتھروں کے جو نمونے لے کر آئے ہیں ان کے کیمیائی تجزیے سے بھی وہی عناصر — کچھ کمی بیشی کے ساتھ — نکلے ہیں جو ہماری زمین میں پائے جاتے ہیں۔

[3] A Dictionary of science, P.32. Fourth edition, Penguin Books, London, 1977.



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور اس علم نے آج اتنی ترقی کر لی ہے کہ اجرام سماوی کے بہت سے رازہائے ربوبیت کا ایک حد تک یقینی علم حاصل ہو چکا ہے۔ اگرچہ بعض نظریات میں (جو ابھی پوری طرح ثابت نہیں ہو سکے ہیں یا جن کی صحت پر تمام سائنس دانوں کا اتفاق نہیں ہوا ہے) ترمیم و اضافے کی ابھی گنجائش موجود ہے۔

اس علم کی رو سے ہمارے نظام شمسی میں تین قسم کے کرّے یا اجسام پائے جاتے ہیں:

۱۔ ہماری زمین جیسے ٹھوس سیارے، سیارچے (چاند کی طرح کے) چھوٹے چھوٹے اجسام اور شہابیے وغیرہ۔

۲۔ وہ کرّے یا اجرام جو چٹانی اور برفانی دونوں قسم کے مادوں پر مشتمل ہوں۔

۳۔ سورج اور مشتری جیسے کرّے (Jovian Planets) جو زیادہ تر گیسی مادوں پر مشتمل ہیں[1]۔ اصل میں تمام اجرام سماوی کی تخلیق ایک مشترک کہکشانی مادے سے عمل میں آئی ہے، جس کو قرآن حکیم "دخان" (دھوئیں) کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ اور جدید سائنس اس قرآنی بیان پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ پوری کائنات ابتداءً گیس (Gas) کی حالت میں تھی۔

یونانی فلسفے کا یہ نظریہ بھی غلط اور باطل ہے کہ اجرام سماوی متحرک بالارادہ ہوتے ہیں[2]۔ یہ تمام نظریات بطلیموس[3] دور کی نشانی اور یادگار ہیں جن کو خود قرون وسطیٰ میں مسلم محققین اور سائنس دانوں

---

[1] New Frontiers in Astronomy (Readings from scientific American.) P. 57, San francisco, 1975.

[2] اِنَّ الْفَلَكَ مُتَحَرِّكٌ بِالْاِرَادَةِ (ہدایۃ الحکمۃ)

[3] بطلیموس (Ptolemy) مشہور یونانی ہیئت داں، جو اسکندریہ میں دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ اس کی شہرت کا باعث اس کی وہ زبردست کتاب ہے جو "المجسطی" (Almagest) کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب یونانی فلکیات کے بارے میں معلومات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے بدلائل غلط ثابت کیا ہے۔ اور متکلمینِ اسلام نے ان بے بنیاد نظریات کو مردود قرار دیا ہے چنانچہ امام غزالی اپنی معرکۃ الآراء کتاب "تہافت الفلاسفۃ" میں فلسفۂ یونان اور اس کے مسائل پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَاِنَّھُمْ یَحْکُمُوْنَ بِظَنٍّ وَّ تَخْمِیْنٍ مِنْ غَیْرِ تَحْقِیْقٍ وَیَقِیْنٍ: یہ لوگ بغیر کسی تحقیق یا یقین کے محض ظن و تخمین کے باعث فیصلہ کر دیتے ہیں۔

اسی طرح موصوف اپنی ایک دوسری مشہور کتاب "مقاصد الفلاسفہ" میں فلسفۂ یونان اور اس کی شاخوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"فلسفے کی چار قسمیں ہیں: ریاضیات، منطقیات، طبیعیات، الٰہیات۔ جن میں ریاضیات بالکل عقل کے مخالف نہیں اس لیے ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ الٰہیات میں فلسفیوں کے اکثر عقائد حق کے خلاف ہیں، اور ان میں صحیح بات بہت کم ہے۔ منطقیات کا اکثر حصہ بھی صحیح ہے اور اس میں غلطی بہت کم ہے۔ طبیعیات میں حق و باطل دونوں مخلوط ہیں اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کون غالب ہے اور کون مغلوب[۱]"

امام صاحب کے دور میں سائنس نے چونکہ اتنی زیادہ ترقی نہیں کی تھی[۲] اس لیے وہ اپنے

---

بقیہ صفحہ گزشتہ: کا سب سے بڑا ماخذ تھی جو (عرصۂ دراز تک) قرونِ وسطیٰ کے اذہان پر چھائی رہی"

(اے شارٹ ہسٹری آف اسٹرانمی، از آرتھر بیری، ص ۶۲، نیویارک، ۱۹۶۱ء)

لہ حکمائے اسلام، از مولانا عبدالسلام ندوی، ۱/۱۴۳ -۱۴۵، اعظم گڈھ، ۱۹۵۳ء۔

ٹہ دور قدیم میں سائنس اور فلسفہ دونوں مخلوط تھے جن کو دورِ جدید میں الگ الگ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں: "یونان میں فلسفہ ایک مجموعے کا نام تھا جس میں طبیعیات، عنصریات، فلکیات، الٰہیات، مابعد الطبیعہ سب کچھ شامل تھا۔ لیکن یورپ نے نہایت صحیح اصول پر اس کے دو حصے کر دیے۔ جو مسائل مشاہدہ اور تجربے کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہو گئے ان کو سائنس کا لقب دیا (اور) جو مسائل تجربہ و مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے اُن کا نام فلسفہ رکھا"

(الکلام، ص ۴، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۴۰ھ)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دور کی "طبیعیات" کے متعلق کوئی واضح اور دو ٹوک فیصلہ نہیں فرما سکے۔ اگر موصوف آج موجود ہوتے تو عجب نہیں کہ یونانی طبیعیات کے مہمل اور از کار رفتہ ہونے کا فتویٰ صادر فرما دیتے۔

بہرحال جدید تحقیقات و اکتشافات کی بدولت جہاں ایک طرف یونانی سائنس اور فلسفے کے نظریات مردود قرار پاتے ہیں تو دوسری طرف قرآنی بیانات و تصریحات پوری طرح اُجاگر ہو جاتی ہیں اور اس کی صداقت و حقانیت اور اس کا علمی و تاریخی اعجاز کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ اس نے یہ تمام انکشافات اس دور میں کیے تھے جب کہ عوام تو عوام اُس دور کے عقلاء اور دانشور تک بہتیرے جہالتوں میں مبتلا تھے۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

سورۂ انبیاء میں پہلے زمین اور اس کے متعلقات کا ذکر کرنے کے بعد چاند اور سورج کا تذکرہ کیا گیا اور پھر فرمایا گیا کہ یہ اجرام سب کے سب (خلاؤں میں) تیر رہے ہیں:

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝

اور ہم نے زمین میں (توازن قائم کرنے کے لیے) پہاڑ بنائے تاکہ وہ لوگوں کو لے کر ڈھل نہ جائے۔ اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ (اپنے مطلوبہ مقامات کو) پا سکیں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت[1]

[1] یہ "سمائے دنیا" کی چھت کا تذکرہ ہے۔ اسی کے اندر ستارے و سیارے اور تمام کہکشائیں (Galaxies) جن کی تعداد اربوں تک ہے، سب کی سب واقع ہیں (اس سلسلے میں بعض دلائل اگلے صفحات میں مذکور ہیں)۔ یہ چھت یونانی نظریات کے برعکس غیر شفاف (Opaque) ہے جیسا کہ معراج سے متعلق حدیثوں سے واضح ہوتا ہے۔ اس چھت کی حقیقت اگرچہ آج سائنٹفک نظر سے مستور ہے۔ مگر کوئی وجہ نہیں ہے کہ زمانہ مستقبل میں اس کا انکشاف نہ ہو جائے۔ تمام حقائق ابھی سائنس کی دسترس میں کہاں آئے ہیں!



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بنا دیا ہے اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے روگردانی کر رہے ہیں اور وہی ہے جس نے رات دن اور آفتاب و مہتاب کو پیدا کیا ہے۔ یہ سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔ (انبیاء: ۳۱-۳۳)

یہاں پر "فلک" سے مراد یونانی نظریہ کے مطابق ٹھوس، مجسم اور دوری حرکت کرنے والا مستدیر فلک نہیں بلکہ ایک فرضی دائرہ مراد ہے[۵]۔ جیساکہ جدید سائنس کا نظریہ ہے۔ ورنہ تیرنے کا مفہوم بالکل بے معنی ہو جائے گا۔ اور تیرنے یا گردش کرنے والے ان اجرام میں خود ہمارا کرۂ ارض بھی شامل ہے، جس کا تذکرہ اس موقع پر انتہائی بلیغ اسلوب میں موجود ہے۔

اصل میں یہ سارے حقائق خدائی منصوبے کے مطابق اشاروں کنایوں کی زبان میں

---

[۵] لغت کی رو سے فلک کسی بھی چیز کے گول دائرے کو کہتے ہیں: وفلك كل شئ مستدارة ومعظمه: کسی چیز کا فلک اس کا گول اور بڑا حصہ ہے۔ اور اس بنا پر سمندر کی گول اور چلتی ہوئی موج کو بھی فلک کہا جاتا ہے: وفلك البحر: موجه المستدير المتردّد۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آکر عرض کیا "انی ترکت فرسك كأنه يدور فی فلك" میں نے آپ کے گھوڑے کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ گویا وہ ایک (فلک) دائرے میں گھوم رہا ہے۔ (لسان العرب، ابن منظور، ۱۰/۴۷۸، بیروت ۱۹۶۸ء)

یہ فلک کا اصل مفہوم ہے جو کلام عرب میں رائج تھا۔ مگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب یونانی علوم عباسی دور میں ترجمہ ہو کر عربی میں منتقل ہوئے تو اس وقت "یونانی آسمانوں" کی تعبیر کے لیے عربی میں نہ جانے کیوں فلک ہی کی اصطلاح اختیار کر لی گئی جس کی وجہ سے بعد کے ادوار میں یہ اشتباہ پیدا ہو گیا کہ یونانی فلک اور قرآنی فلک گویا ایک ہی چیز ہے، حالانکہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مذکور ہیں تاکہ چودہ سو سال قبل کے سائنسی حقائق سے نابلد معاشرے کو قرآنی آیات کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری بھی نہ رہے اور وقت آنے پر یہ اشارات و قیع اور معنی خیز بھی بن جائیں یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں قرآن حکیم نے نظام کائنات سے متعلق غلط خیالات ونظریات کی پوری طرح تردید نہیں کی بلکہ ایک حکیمانہ اور دانشمندانہ اسلوب اختیار کیا تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی دشواری نہ پیش آئے۔ یا وہ کسی اور قسم کی غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ملحوظ تھی کہ قرآن حکیم کا جو اصل موضوع تعمیر اخلاق اور درس انسانیت ہے اس سے ہٹ کر اس کے متبعین کو اُس دور کے غیر ترقی یافتہ معاشرے کے لیے قرآن کے ان "نئے دعوؤں" کی تفہیم کرانا اور ان کا ثبوت فراہم کرنا مشکل ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ منکرین اسلام فوراً یہ اعتراض کرتے اور کہتے کہ قرآن تو ایسے حقائق کا ادعا کر رہا ہے جو مروجہ نظریات کے خلاف ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اس کے ماننے والے پہلے ان دعوؤں کا ثبوت پیش کریں اور یہی اصول مابعد کے تمام ادوار میں بھی صادق آتا ہے۔

زمین کی حرکت حسب ذیل آیت کریمہ سے بھی ثابت ہوتی ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط اور تم پہاڑوں کو ٹھہرے ہوئے گمان کرتے ہو حالانکہ وہ بادلوں کی سی تیزی سے گزر رہے ہیں۔ یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو استحکام بخشا ہے۔ (نمل: ۸۸)

جدید تحقیقات کے مطابق جتنے بھی ستارے (Stars)، سیارے (Planets) اور کہکشائیں (Galaxies) دریافت ہوتی جارہی ہیں وہ سب سمائے دنیا یا آسمان اول کا حصہ ہیں:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ: اور ہم نے قریبی آسمان (آسمان اول) کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے۔ (ملک: ۵)

چراغوں سے مراد ہر قسم کے ستارے اور سیارے ہیں جو دور سے روشن چراغوں یا



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قندیلوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبِ ۝ ہم نے قریبی آسمان کو ستاروں سے رونق بخشی ہے۔ (صافات: ۶)

دوربینوں (Telescopes) کے ذریعہ وسیع اور بے کراں خلاؤں میں لاکھوں کروڑوں اور اربوں نوری سال (Light years) کے فاصلے پر نظر آنے والی کہکشائیں بھی دراصل ستاروں ہی کے مجموعے ہیں۔ اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک ایک کہکشاں میں کم ازکم ایک کھرب ستارے (ہمارے سورج جیسے) ہو سکتے ہیں قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق یہ تمام کہکشائیں بھی سمائے دنیا ہی کا حصہ ہیں۔ کیونکہ ستاروں کے ان جھرمٹوں کو وہ "بروج" سے تعبیر کرتا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۝ اور یقیناً ہم نے آسمان میں (بہت سے) بروج بنائے ہیں اور انھیں بنظر غائر دیکھنے والوں کے لیے سنوار دیا ہے۔ (حجر: ۱۶)

بروج سے مراد جس طرح مشہور بارہ بروج ہو سکتے ہیں[2] اسی طرح اس سے مراد کہکشائیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ سب ستاروں ہی کے جھرمٹ اور اُن کے مجموعے ہیں۔ یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے شروع میں "لقد" کے ذریعہ تاکیدی بیان ہے اور پھر "الناظرین" کا لفظ لایا گیا ہے۔ "نظر" کے معنی محض دیکھنا نہیں بلکہ بنظر غائر یا بنظر تامل دیکھنا اور آنکھ کے ذریعہ غور و فکر کرنا بھی ہے[3] لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ دوربینوں سے نظر

---

۱؎ اس میں رد ہے فلسفۂ یونان کا جو تمام ستاروں کو آٹھویں فلک میں جڑا ہوا مانتے ہیں۔

۲؎ بروج برج کی جمع ہے، جس کے معنی محل کے ہیں۔ اسی وجہ سے ستاروں (کے مجموعے) کو بروج کہا گیا کیونکہ یہ اُن کی مخصوص منزلیں ہوتی ہیں۔ (المفردات فی غریب القرآن، ص ۴۱)

۳؎ اس کی تفصیل اور ائمۂ تفسیر و لغت کے اقوال تیسرے باب میں گذر چکے ہیں۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آنے والے ستاروں کے "شہروں" یا "کائناتی جزیروں"[۵ل] پر بروج کا اطلاق نہ ہو سکے۔

پھر دوسری حقیقت یہ ہے کہ ان تمام آیات میں "السماء" اور "السماء الدنیا" کے الفاظ لائے گئے ہیں، سبع سماوات (سات آسمانوں) کے الفاظ نہیں لائے گئے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ دوربینوں سے نظر آنے والے یہ تمام بروج اور کہکشائیں محض سمائے دنیا یا آسمان اول کا حصہ ہیں۔ اور اس قسم کے چھ آسمان اور ہیں جو "سمائے دنیا" سے پرے واقع ہیں۔ اور وہ چونکہ انسانی آنکھوں سے مستور ہیں اس لیے ان کی اصل حقیقت کا علم صرف خداوند جل وعلا ہی کو ہو سکتا ہے[۵ے]۔ مگر جہاں تک ان کے وجود کا سوال ہے اس سے کم از کم اہل ایمان کو انکار نہیں ہونا چاہیے۔ جیساکہ معراج سے متعلق حدیثیں اس مسئلے پر بخوبی روشنی ڈال رہی ہیں۔ چنانچہ معراج کے موقع پر حضرت جبرئیلؑ سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ایک ایک کر کے ساتوں آسمانوں تک پہنچے اور ہر ایک کا دروازہ کھلوایا۔ اس موقع پر قابل غور بات یہ ہے کہ جبرئیلؑ سے ہر جگہ پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ اس مکالمے سے بھی یونانی نظریہ کے مطابق افلاک کے شفاف (شیشے کی طرح) ہونے کا نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ جن کا نظریہ یہ ہے کہ آٹھویں فلک کے ستارے بقیہ افلاک سے گذرتے اور انھیں پار کرتے ہوئے ہم کو پہلے

---

۵ل Island of Universe، دوربینوں کے ذریعہ ان کہکشاؤں کی بہت واضح تصاویر اتاری جا چکی ہیں۔ چونکہ وسیع اور بے کراں خلاؤں میں ان کہکشاؤں کی حیثیت کسی بڑے سمندر کے درمیان چھوٹے چھوٹے جزیروں یا دھبوں جیسی ہے اس لیے انھیں "کائناتی جزیروں" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

۵ے یہ تصور بھی یونانی تصور کے مغائر ہے جو "فلک الافلاک" کے اس پار کسی قسم کے "خلا" یا "ملا" (خلا یا بھرتی جگہ) کے ناممکن ہونے کا مدعی ہے۔ اور اس بے بنیاد نظریہ کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فلک پر دکھائی پڑتے ہیں، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان شفاف نہیں بلکہ غیر شفاف (opaque) ہے جن کے آر پار دیکھنا ممکن نہیں ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا: اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ (انبیاء : ۳۲)

وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ق وَحِفْظًا ط اور ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور (اس کو ہر طرح سے) محفوظ کر دیا۔ (حٰمٓ سجدہ ۱۲:۴)

اس طرح اسلامی نظریۂ سماوات اور یونانی نظریۂ افلاک میں کھلا ہوا تناقض وتضاد موجود ہے اور ان دونوں میں تطبیق کسی بھی طرح ممکن نہیں ہو سکتی۔ حیرت ہے کہ ہمارے علماء اور بعض متکلمین نے (جو فلسفۂ یونان سے متاثر و مرعوب تھے) ان واضح براہین کو نظر انداز کر کے تمام یونانی نظریات کو اسلامی نظریات ثابت کر دینے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ حالانکہ قرآن حکیم نے مظاہر کائنات میں غور وفکر اور مشاہدہ کی دعوت اسی بنا پر دی تھی کہ رویت ومشاہدہ کے صحیح اصولوں کے باعث یونانی نظریات کی غلطیاں بھی واضح ہو جائیں جو بلا سند و بلا دلیل فرض کر لیے گئے تھے۔ اور دوسری حیثیت سے نظام کائنات کے وہ حقائق منظر عام پر آئیں جن سے دین کی ابدی صداقتوں کا اثبات ہوتا ہو۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ فلسفۂ یونان سے متاثر علماء نے یونانی نظریات پر "ایمان" لا کر قرآن وحدیث میں تاویلات شروع کر دیں؛ حالانکہ ضروری تھا کہ یونانی افکار ونظریات کو کتاب وسنت کی "نصوص" (واضح بیانات) پر پیش کرتے اور جو چیز مخالف نظر آتی اس کو رد کر دیتے، مگر ایسا نہ ہو سکا؛ جیسا کہ بہت سے مسلم فلاسفہ اور فلسفہ زدہ علماء نے معراج جسمانی کا انکار محض اس بنا پر کر دیا کہ وہ اپنے خود ساختہ افلاک میں "خرق والتیام" اور درز وشگاف وغیرہ کو محال سمجھتے تھے اور جیسا کہ وہ اپنے خانہ ساز "کرۂ نار"[1] سے

---

[1] یونانی نظریہ کے مطابق کرۂ ہوائی یا کرۂ باد کے اوپر کرۂ نار پایا جاتا ہے دیکھئے صفحہ ۲۴ (باقی)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گذرنا اور اس کو پار کرنا بھی محال تصور کرتے تھے۔ اور انہی نظریات و تصورات کی بنا پر موجودہ دور کے علماء، خلائی پروازوں کے ذریعہ چاند اور دیگر سیاروں تک رسائی کو سخت ناممکن اور محال سمجھتے ہیں۔ اور ایک حیثیت سے وہ اس قسم کی کوشش اور جدوجہد کو خدا کی خدائی میں دخل دینے کے برابر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی خلابازوں نے ۱۹۶۹ء میں جب پہلی بار کرۂ قمر پر کامیابی کے ساتھ قدم رکھا تو مذہبی حلقوں میں ایک کہرام مچ گیا اور تقریباً ہر جگہ اس واقعہ کا انکار کر کے مزید تضحیک کا سامان پیدا کیا گیا۔[1]

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم ایک حیثیت سے یونانی فکر و فلسفے کی بھی تردید کر رہا ہے اور اس کی غلطیوں کو تجربے و مشاہدے کے ذریعہ واضح کر دینا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ نوع انسانی کو تجربے و مشاہدے پر ابھارتا ہے تاکہ ان دونوں کا طرز ہائے فکر کھل کر سامنے آجائے اور یونانی افکار کی غلطیاں اجاگر ہو جائیں۔ جس دور میں قرآن نازل ہوا اس وقت مسلمان یونانی فکر و فلسفے سے اگرچہ ناآشنا تھے مگر قرآن حکیم چونکہ ایک دائمی اور عالمگیر صحیفہ ہے اس لیے اس میں حفظ ماتقدم کے طور پر فکر یونان کے مقابلے کا سامان پہلے ہی سے رکھ دیا گیا تھا، جس طرح کے موجودہ دور کے مقابلے کا سامان بھی اس میں پوری طرح موجود ہے۔

دورِ عباسیہ میں جب یونانی علوم کا خوب چرچا ہوا تو اہل اسلام کے دو گروہ بن گئے، ایک گروہ علوم یونان کا شیفتہ اور انھیں ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ــــ ان علوم کی دقیقہ سنجیوں کی بنا پر ــــ سمجھنے لگا، مگر دوسرا گروہ جو قرآنی سرچشمے سے سیراب اور اس کی روح سے

---

(حاشیہ نمبر ا بقیہ صفحہ ۶۶۳) (تصریح، ص۔۱۰) اس لیے کوئی داخل نہیں ہو سکتا ورنہ وہ جل کر خاک ہو جائے گا۔

[1] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے راقم سطور کی پہلی کتاب "چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں" دیکھنی چاہیے، جو فرقانیہ اکیڈمی بنگلور سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آشنا تھا اس پر ان علوم کا جادو نہ چل سکا اور اس نے ہمیشہ ان علوم پر تنقید کی اور ان کے مسائل کی غلطیوں کا پردہ چاک کیا۔ ان میں امام غزالی، امام رازی اور امام ابن تیمیہ وغیرہ پیش پیش ہیں۔

غرض اس تشریح و تفصیل سے جدید فلکیات اور قرآنی نظریہ سماوات کے سلسلے میں درپیش تمام شکوک و شبہات اور تمام اعتراضات رفع ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن حکیم کی دیگر تمام آیات کی تشریح و توجیہ اس نقطۂ نظر سے بالکل واضح ہو جاتی ہے اور کسی بھی قسم کی پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔ اس موضوع پر راقم سطور کی ایک مفصل کتاب زیر ترتیب ہے جس میں قرآن حکیم کی متعلقہ تمام آیتوں کا احاطہ کرکے ان کی تفسیر کرنے اور مختلف آیتوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ ہیں:

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ　:　فصیح اور غیر پیچیدہ قرآن،

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ　:　یہ واضح اور روشن کتاب کی آیات ہیں،

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ　:　یہ پُر حکمت کتاب کی آیات ہیں،

کی خوبیاں اور گلکاریاں، جن میں جس قدر زیادہ غور و فکر سے کام لیا جائے اسی قدر ان کے اسرار و معارف کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اس کتاب حکمت میں تفکر و تدبر کی تاکید کی گئی ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں! (محمد: ۲۴)

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا۔ (نساء: ۸۲)

(باقی آئندہ)



© rasailojaraid.com